ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

زنیرہ عبدالحق
ایم فل سکالر (اردو)، دی ویمن یونیورسٹی ملتان
ڈاکٹر سارہ مجید
لیکچرر (اردو) دی ویمن یونیورسٹی ملتان

محمد وسیم شاہد کے ناول "ڈھاڈری" میں تہذیبی و تاریخی آثار

Zunaira Abdul Khaliq*
MPhil Scholar, Urdu, The Women University, Multan.
Dr. Sara Majeed
Lecturer, Urdu, The Women University, Multan.
***Corresponding Author:**

Cultural and Historical artifacts in Muhamnad Waseem's Novel "Dhadari

Muhammad Waseem Shahid's novel Dhadhri offers a vivid portrayal of the rich cultural and historical heritage of Dhadhar, a significant yet often overlooked region in Balochistan. Through his personal memories and detailed storytelling, Waseem Shahid highlights Dhadhar's ancient roots, linking it to civilizations even older than Mohenjo-Daro and Harappa. The novel describes how the area became a crossroads for armies and traders, creating a diverse and unique local culture. It captures daily life, from simple village breakfasts and the importance of radio news to the peaceful coexistence of Muslim and Hindu children in schools.Waseem Shahid also emphasizes the strong community bonds, respect for religious figures, and the traditional hospitality that defined Dhadhar. By combining historical events with personal experiences, Dhadhri beautifully preserves and celebrates the spirit of a region full of resilience and cultural depth.

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

Key Words: *Dhadhri, Depth, Resilience, Spirit, Preserves, Religious, Combining, Historical, Emphasizes, Coexistence, Personal, Experience, Captures.*

محمد وسیم شاہد کا یہ ناول سن 2020 کو سامنے آیا جس میں خصوصی طور پر بلوچستان کے ایک اہم سرحدی علاقے ڈھاڈر کی تہذیب و ثقافت دکھائی گئی۔ یہ ناول میں مصنف نے سرگزشت کے انداز میں لکھا۔ جس میں مرکزی کردار)ہشام (اپنے بیٹے پر غصہ کرنے کے بعد اس کا ایک جملہ سنتے ہی اپنے ماضی میں کھو جاتا ہے اور اپنی اوارہ مزاجی اور شرارتی پنکے مکمل تصویر کشی کرتا ہے وہ اپنی محبت، ماں کی شفقت، ڈھاڈر کی تہذیب و ثقافت اور اس دور کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے سرگزشت بیان کرتا ہے۔ یہ ناول تہذیبی مناظر کے علاوہ تاریخی معلومات بھی رکھتاہے اور اس دور کی سیاسی و آمرانہ قوتوں کو بھی مکمل ظاہر کرتا ہے۔

محمد وسیم شاہد نے اپنے ناول "ڈھاڈری" میں اپنی داستانِ حیات کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ انہوں نے اپنے بچپن کے حالات وواقعات کے بیان میں " ڈھاڈر" کی تہذیب وثقافت اور تاریخی اہمیت کے ساتھ ساتھ کوئٹہ کی اُس وقت کی تہذیب کو بھی اجاگر کیا ہے۔ ڈھاڈر بلوچستان کو ایک ایسا علاوہ ہے جو تاریخی اور جغرافیائی لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس سے وابستہ درہِ بولان کئی جنگجوؤں کی آمد اور فتح وشکست کے لیے فیصلہ ساز رہا ہے۔

وسیم شاہد نے جس طرح سوانح پر مبنی اس ناول کو "ڈھاڈری" کا عنوان دیا ہے ، ۔ وہ چونکہ اسی علاقے میں پیدا ہوئے اور اسی میں ہی پلے بڑھے تو وہ خود کو اس وابستگی کی وجہ سے "ڈھاڈری" کہتے ہیں۔ اس خطے سے آبائی وابستگی والفت کی وجہ سے اس کی تاریخی اہمیت بھی اس ناول میں واضح کرتے ہیں جو کہ درہِ بولان کے کنارے آباد ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں داخل ہونے والے قافلوں اور جنگجوؤں کے لیے بہت اہمیت کا باعث رہا لیکن موجودہ دور میں یہ انتہائی پسماندہ اور غریب خطہ ہے۔

"ڈھاڈر" کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات مصنف ناول کے ابتدائی حصے میں کرتے ہیں کہ اس کی تہذیب موہنجو دڑو اور ہڑپہ سے بھی کئی ہزار سال پرانی ہے جس کی سائنسی تحقیق اور ثبوت فرانسیسی ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر جان فرانکوس اور ان کی اہلیہ نے یہاں بارہ سال متواتر محنت کر کے پیش کئے۔ درہِ بولان کے کنارے موجود ڈھاڈر کی بستی اور اس سے ملحقہ کئی ہزار سال پرانی تہذیب اس بات کی عکاسی ہے کہ ڈھاڈر پاکستان کا قدیم اور اہم ترین تہذیبی و ثقافتی ورثہ ہے۔ اس کی قدیم تہذیب کے سائنسی نقوش کو مصنف اس بستی سے چند کلومیٹر شمال مشرق

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08

میں موجود مہر گڑھ کے ان کھنڈرات سے وابستہ کرتے ہیں جو ۴۹۵ ایکڑ پر مشتمل ہیں۔ان کے بارے میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''ڈھاڈر سے چند کلو میٹر دور شمال مشرق ۴۹۵ ایکڑ پر پھیلے مہر گڑھ کے کھنڈرات ہیں۔ جو موہنجو دڑو اور ہڑپہ سے کئی ہزار سال پرانی مہذب آبادی تھی۔ یہ آثار فرانسیسی ماہر آثار قدیمہ پروفیسر جان فرانکو اس جیر یج اور ان کی اہلیہ نے سردار نواب غوث بخش رئیسانی صاحب کے تعاون سے ۱۹۷۴ء تا ۱۹۸۴ء تک متواتر بارہ سال کی جدوجہد کے بعد دریافت کئے اور ماہرین نے انہیں دس ہزار سال قبلِ مسیح کی آبادی قرار دیا ہے۔'' (۱)

جس ڈھاڈر میں انہوں نے آنکھ کھولی اس کے بزرگوں نے اس علاقے میں دو قومیں دیکھی تھیں ایک دوپاسی اور دوسرے بلوچ۔ دوپاسی ڈاکو تھے مگر تہذیب یافتہ ڈاکو شمار ہوتے تھے کیونکہ ان کی کچھ روایات اور اصول تھے جبکہ بلوچ اپنی سخاوت اور بہادری کی وجہ سے مشہور تھے۔ جو بھی لشکر باہر سے درہ بولان تک آتے انہیں ڈھاڈر کا زرخیز و سایہ دار علاقہ ملتا تھا جہاں وہ قیام کرتے اور لوگوں سے بات چیت کی کوشش بھی کرتے تھے۔

ناول میں مصنف بتاتے ہیں کہ ڈھاڈر میں کئی نسلوں و قوموں کے لوگ اپنی تہذیب کے اثرات چھوڑتے گئے۔ جن میں ہند، فارسی، افغانی اور دیگر آنے والے جنگجو بھی شامل تھے، ان میں ہندوؤں نے اپنی اشیاء کی فروخت کا مرکز بھی ڈھاڈر کو ہی بنایا۔ چونکہ یہ علاقہ مختلف قوموں اور قافلوں کی گزرگاہ تھا تو یہاں ان کے قیام کی وجہ سے مقامی لوگ کئی تہذیبوں سے بھی واقف ہو گئے اور یہاں ڈاکوؤں کا راج بھی بڑھ گیا یعنی ڈاکو راج اس تہذیب کا باقاعدہ حصہ سمجھا جانے لگا۔ ناول کے مناظر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس علاقے میں کیکر کے درخت بہت زیادہ تھے جن کے نیچے ہندو تاجر و دیگر اپنا سامان رکھ کے خرید و فروخت کی کوشش کرتے، یعنی وہ کیکر کے درخت تجارتی منڈی کا سامان پیدا کرتے تھے۔

اس تہذیب کی حیرت انگیز روایت مصنف نے یہ بیان کی ہے کہ پورا دن تجارت کرتے بے خطر گھومنے والے قافلے رات ہوتے ہی ڈاکوؤں کی لپیٹ میں آجاتے تھے جن کو دوپاسی ڈاکو کہا جاتا، مگر یہی دوپاسی ڈاکو سیدوں کا بہت احترام کرتے تھے۔ لہٰذا جو بھی قافلہ یا تاجر سیدوں کے ڈیرے پر جا کر پناہ لے لیتا یا اپنا قیمتی سامان رکھ دیتا اس کے مال و دولت اور جان کو کوئی نقصان نہ ہوتا تھا۔ یہ ڈیرے تمام رات کھلے رہتے اور جب بھی جو چاہتا وہاں جا کے آرام کر سکتا تھا۔ وسیم شاہد نے یہ روایت ایک سے دو صدی پہلے کی تہذیب سے نقل کی ہے یعنی ان کی پیدائش سے

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08

بھی قبل، اس وقت بھی ڈھاڈر میں پوری رات ڈیرے کھلے رہنا اور آنے والے مہمانوں کی آؤ بھگت کرنا اس دور کی مہمان نوازی کو ظاہر کرتا ہے۔

اس تہذیب میں ڈاکوؤں کی یہ روایت بہت حیرت انگیز تھی کہ وہ جنگجوؤں کے قافلوں کو بھی لوٹنے سے دریغ نہ کرتے تھے لیکن سیدوں کی حویلی کے نزدیک مذہبی عقیدت کی وجہ نہ جاتے تھے جس پر کوئی پہرہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ یہ روایت اس دور میں بھی ڈھاڈر میں مذہبی عقیدت مندی اور مرشدی کی رسوم کو ظاہر کرتی ہے جو دو صدی قبل کے ڈھاڈر کی تہذیب میں بھی مذہبی اثر و رسوخ کا اظہار ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "راتوں کو قافلوں پر شب خوں مارے جاتے اور مال اسباب لوٹ لیا جاتا تو رات ہوتے ہی قافلے کے مسافر اور ہندو بنیے اپنا تمام قیمتی ساز و سامان لے جا کر دوپاسی سیدوں کی حویلی کے کشادہ صحن میں رکھ آتے۔۔۔ اس حویلی کا دروازہ دن رات کسی اجنبی کے لیے بند نہ ہوتا ۔۔۔۔ ہر شخص اس راز سے واقف تھا کہ جو ڈاکو نوابوں، سرداروں اور شہزادوں کے قافلوں کو لوٹنے سے نہیں کتراتے وہ دن رات کھلے دروازے والی دوپاسی سید کی حویلی میں داخل ہونے کو دنیا و آخرت کی رسوائی کا باعث سمجھتے۔" (۲)

جہاں یہ اقتباس ڈاکوؤں کی روایات اور عقیدت کو ظاہر کرتا ہے وہی یہ اس دور کی مہمان نوازی اور مسافروں کا خیال کرنے کے رسم و رواج کو بھی ظاہر کرتا ہے، جس میں سیدوں کی حویلی کا تمام شب مسافروں کے لیے کھلا رہنا اس دور میں ڈھاڈر کے تہذیبی اقدار کی بلندی کو ظاہر کرتا ہے۔

ناول میں بیان کی گئی اس خطے کی تاریخی اہمیت اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ پاکستان کے خطے میں درہِ بولان کی وجہ سے اس پسماندہ علاقے ڈھاڈر کی تہذیب و تاریخ کئی جنگجوؤں سے وابستہ رہی ہے۔ ناول میں بیان کی گئی اس علاقے کی تاریخ میں کچھ اہم واقعات کو ہی دیکھیں تو رند اور لاشار کی ہونے والی مشہور جنگ بھی اسی خطے سے شروع ہوئی تھی۔ وہی مغل بادشاہ ہمایوں بھی جب شیر شاہ سوری سے شکست کھا کے ایرانی مدد سے دہلی پر حملہ کرنے جا رہا تھا تو اسی خطے میں میر چاکر رند سے مدد طلب کی تھی اور میر چاکر کے حکم سے یہاں کے بلوچوں کی بڑی تعداد اس کے ساتھ دہلی پر حملہ آور ہوئی اور ہمایوں دوبارہ تخت نشیں ہوا۔ یعنی اس چھوٹے سے خطے کی گونج دہلی کی سلطنت تک جاتی تھی۔ وسیم شاہد نے ڈھاڈر کی تاریخی اہمیت بیان کر کے اس مٹی کی سرگزشت بیان کی ہے جیسا کہ طاہرہ اقبال تحریر کرتی ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

> ”یہ ناول بلوچستان کے صحراؤں پہاڑوں، کاریزوں، سونے چاندی سے لب ریز کانوں اور جفاکش انسانوں کی سرزمین کی سرگزشت ہے۔ جس میں حال وماضی دونوں ہم آہنگ ہیں۔ یہ مہرگڑھ کے کھنڈرات سے نکلی ابتدائی تہذیب کی زنجیر بھی ہے۔ جس کے حلقے میں کچھ نادر، منفرد اور چونکا دینے والا موجود ہے اپنی جڑوں سے جڑا یہ ناول ڈھاڈری کمال کا کردار ہے۔“(۳)

ناول نگار مغل بادشاہ شاہ جہان اور ممتاز محل کے بیٹے داراشکوہ کی بھی اس خطے سے وابستگی بیان کرتے ہوئے ان کی تلخ یادوں کا قصہ بتاتے ہیں کہ جب وہ شکست کھانے کے بعد شاہ ایران (شاہ عباس دوم) کی اجازت سے ایران جارہا تھا تو راستہ میں ڈھاڈر میں ایک افغانی سردار ملک جیون کے ہاں مہمان بنا جو کہ تخت نشیں مغل بادشاہوں کا وفادار تھا اور اس نے مغل دربار اطلاع کر کے داراشکوہ کو ساتھیوں سمیت گرفتار کروالیا جو کہ اسے دہلی لے گئے اور پھر پھانسی دے دی گئی۔

اسی خطے کو خان آف قلات نے کچھی فتح کرنے کے بعد اپنا دارلحکومت بنایا، اُس نے یہاں محلات کی تعمیر کی اور باغات بھی بنائے جو اس کے جانے کے بعد بھی اس کی عظیم یادگار رہے۔ اس علاقے کی وجہ تسمیہ بھی وسیم شاہد کے ہاں خاص معنی رکھتی ہے جو وہ کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

> ”ڈھاڈر نام کی وجہ تسمیہ کچھ یوں بیان کی جاتی ہے کہ دشمنوں سے بچنے کے لیے اس شہر کے گرد فصیل تھی جس میں دس دروازے تھے جنہیں بلوچی میں ”دہ در“ یعنی دس دروازے کہا جاتا تھا جو وقت کے ساتھ بدل کر ڈھاڈر ہو گیا۔۔۔ دوسرا غالب امکان یہ ہے کہ اس شہر میں داخل ہونے کے لیے درہِ بولان سے دس راستے نکلتے تھے یعنی ”دہ در“ جو بدل کر ڈھاڈر ہو گیا۔“(۴)

وسیم شاہد اس ناول میں اس خطے کی خاص تاریخی اہمیت بہت دلائل سے ثابت کرتے ہیں ساتھ ہی یہ اقرار بھی کرتے ہیں کہ یہ ان کی خوش قسمتی ہے کہ وہ اس تاریخی خطے میں پیدا ہوئے۔ مصنف ڈھاڈر کو ”وینس آف بلوچستان“ کا خطاب بھی دیتے ہیں کیونکہ یہاں سے کئی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں جو ڈھاڈر میں کئی گھروں کے بیچ سے گزرتی ہیں۔

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08

ڈھاڈر کی تہذیب میں وہاں کے باسیوں کے صبح و شام خاص دیہاتی علاقے سے مماثلت رکھتے ہیں۔وہ اپنے بچپن کی عکاسی کرتے ہوئے اقرار کرتے ہیں کہ یہاں کسی کے گھر میں شاہانہ ناشتہ نہیں ہوتا بلکہ کچھ بچے چائے اور لسی کے ساتھ ہی ناشتہ کر کے اسکول چلے جاتے ہیں۔ البتہ ان کے گھر میں ناشتہ ہمیشہ انڈے سے ہونے کی وجہ سے ناشتے میں کوئی خاص تبدیلی محسوس نہ ہوتی۔ڈھاڈر کی ثقافت میں بھی دن کا آغاز پراٹھوں کی خوشبو سے ہی ہوتا ہے جس کا ایک منظر ناول کے اقتباس میں ملاحظہ کیجیے:

> ’’صبح لکڑیوں کی آگ پر ماں کے ہاتھ سے بنے پراٹھے سے دن کا آغاز ہوتا۔ زندگی میں بہت اونچ نیچ آئی مگر مجھے یاد نہیں کہ ماں نے انڈے پراٹھے کے علاوہ ناشتے میں کچھ دیا ہو۔ اکثر طلباء صبح ایک کپ چائے یا لسی پی کر اسکول آجاتے تھے۔‘‘(۵)

ڈھاڈر کی تہذیب میں بھی اسکول ہی بچپن کی یادوں کا مرکز بنتا ہے مگر غربت زیادہ ہونے کی وجہ سے اسکول کئی بنیادی سہولیات سے محروم ہوتے ہیں۔ انہوں نے ناول میں اپنے بچپن کو بیان کرتے ہوئے بچوں کو ڈھاڈر کی تہذیب میں اہم عناصر کے طور پر دکھایا ہے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس خطے میں والدین اکثر باہر رہتے ہیں اور بچوں کی تربیت و نگہداشت ماؤں کے ذمے ہوتی ہے جس میں ماؤں کی مشکلات کے ساتھ ساتھ بچوں کی شرارتوں اور پسماندگیوں کو بھی ظاہر کیا ہے۔ جن میں بچوں کے تختیوں کو دو دو بار بغیر مٹی کے دھو کے لکھنے، چہروں پر آنسوؤں اور سیاہی کے نشانات اور پھٹی ہوئی وردیوں کو غربت کی علامات کے طور پر بیان کیا ہے۔

ڈھاڈر کی تہذیب میں بھی دینی تعلیم کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور ایک روایتی رسم کے طور پر دین کی بنیادی معلومات سے آگاہی فراہم کی جاتی ہے جس میں اسکول کے اساتذہ کی ذمہ داری میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کی فراہمی بھی شامل ہوتی ہے۔ لیکن اس تہذیب کی ایک خاص بات یہ بھی رہی کہ اسکول میں صرف مسلمان طالب علم نہیں ہوتے تھے بلکہ ہندو بچے بھی موجود ہوتے تھے۔ جب کلمے پڑھے جاتے تو انہیں اس خیال سے باہر نکال دیا جاتا کہ ان کے مذہبی خیالات متاثر نہ ہوں۔ یہ روایت محض بچوں کی حد تک نہیں بلکہ اس تہذیب کی مشترکہ معاشرت میں بھی اقلیت کے حقوق کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس خطے میں استاد سبق میں اثر پیدا کرنے کے لیے ڈنڈے اور سزا کے کئی طریقوں کا استعمال ضرور کرتے ہیں مگر یہ ڈھاڈر کا روایتی انداز ہوتا ہے۔

وسیم شاہد ڈھاڈر کے رسوم و رواج کو بیان کرتے ہوئے دینی اور دنیاوی تعلیم کی سکول میں مربوط انداز میں پڑھانے کے انداز کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

"دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم پر بھی خاص زور دیا جاتا۔ تمام بچوں کو سختی سے چھ کلمے رٹائے جاتے۔ ایک بچہ زور زور سے کلمے پڑھتا اور باقی بچے بھی حلق پھاڑ کر کلمے دہراتے۔ اس دوران ہندو بچوں کو کلاس سے باہر نکال دیا جاتا اور وہ کلاس سے باہر کھیلتے رہتے مگر چند ایک ہماری آواز کے ساتھ آواز ملا کر بغیر کسی ایمانی جذبے کے تمام کلمے دہراتے۔"[۶]

وسیم شاہد ناول میں جس تہذیب کی عکاسی کر رہے ہیں اس میں ہندو مسلم کے مشترکہ معاشرے کی کئی رسومات جیسے تعلیم و کھیل کود میں کوئی فرق نہیں دکھایا گیا جو اس دوران کے ڈھاڈر میں یکجہتی اور مذہبی تفریق و شدت پسندی کے نہ ہونے کی دلیل ہیں۔ بچوں کے کلمے پڑھنے سے کسی کے دین کو خطرہ محسوس نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی اساتذہ میں سے کسی کو یہ دلچسپی ہوتی تھی کہ ہندو بچوں کو زبردستی کلمے پڑھا دیئے جائیں۔ شدت پسندی نہ ہونے کے برابر تھی اور مشترکہ معاشرے میں نفرت کبھی مذہب کی بنیاد پر نہیں پنپتی تھی۔ ڈھاڈر کی تہذیب میں مصنف نے تقسیم سے قبل کے برصغیر کی ایک زندہ جھلک دکھائی ہے۔

ناول نگار سکول کے جو مناظر پیش کرتے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں بچوں کی تربیت کی ذمہ داری اسکول پر ہوتی تھی۔ اسکول میں اساتذہ طلباء کی باز پرس اور ان کے معاشرتی و اخلاقی معاملات میں تفتیش بھی اساتذہ ہی کرتے تھے۔ اس بات کا اس پس منظر سے بھی خاص تعلق ہے کہ روزگار کے سلسلے میں باپ گھر سے دور رہتے تھے اور لاڈ پیار کی وجہ سے بچے ماؤں کی بات نہیں مانتے تھے، لہٰذا ڈانٹ کے لیے اسکول کے اساتذہ ہی بہترین متبادل ہوتے تھے۔ دوسرا ڈھاڈر میں اساتذہ کی کوشش ہی بچوں کے تمام معاملات میں تربیت کی مجاز ہوتی تھی۔ ڈھاڈر کی تہذیب میں اساتذہ کے اثر و رسوخ کی عکاسی کرتا ناول کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"کمال کے مخلص اور ایماندار اساتذہ ہوا کرتے تھے طلبہ کو اپنے بچوں سے زیادہ عزیز رکھتے اور ہر ممکن مدد فرماتے اگر کوئی بچہ بازار میں نظر آتا تو صبح اسمبلی کے بعد بلوا کر بازار میں گھومنے کے بارے میں باز پرس کی جاتی۔ سکول میں داخل بڑے اور چھوٹے بھائیوں کو بلا کر گواہیاں لی جاتی، بے قصور ہونے پر تنبیہ کے بعد معافی ملتی اور قصوروار ہونے پر سزا۔"[۷]

ڈھاڈر کی تہذیب کے مرد کردار معاشی طور پر مضبوط نہیں ہوتے جس وجہ سے کچھ تو گھر سے باہر روزی کماتے ہیں اور کچھ جو کام ممکن ہو وہ کرتے ہیں۔ ڈھاڈر چونکہ بلوچستان کی ساحلی پٹی پر موجود درہ بولان پر واقع ہے تو

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

لوگوں کے پیشے بھی تاریخی لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں۔ جس طرح زمانہ قدیم میں مختلف موسموں میں مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ آ کے وہاں اپنی اپنی پیش کردہ چیزوں کے کیکر کے نیچے اسٹال لگاتے تھے اسی طرح اب مقامی لوگ بھی وقت کے ساتھ ساتھ اپنا کام کاج بدلتے رہتے ہیں۔یعنی روزی کمانے کے مستقل ذریعہ کی بجائے موسم کے مطابق پیشے کے بدل لینا۔ یہ ترتیب کسی بھی پسماندہ علاقے میں موجود معاشی عدم توازن کی مثال ہوتی ہے جو مصنف نے موجود ڈھاڈر کے متعلق دکھائی ہے۔ تہذیبی اور تاریخی طور پر اس قدر زرخیز خطہ وقت کے ساتھ ترقی حاصل نہیں کر پایا۔لوگوں کی معاشی حالت کمزور ہونے کی وجہ سے اس تہذیب میں بڑے کاروبار بھی نہیں پنپتے اور ایک پیشہ بھی پورا سال کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ اس تہذیب کی عکاسی کرتے ایک کردار کے پیشے بدلنے پر مصنف کی طنز و مزاح سے بھرپور عکاسی دیکھیں جس کا مقصد ڈھاڈر کی تہذیب میں موجود معاش کے ذرائع دکھانا ہے:

> ''کھیو استاد بس نام کا ہی استاد تھا وہ ہر موسم اور رواج کے مطابق کاروبار بدلتا رہتا تھا کبھی روڈ کنارے شوکیس رکھے ڈھاڈر کے سادہ لوح لوگوں کو اصلی یاقوت زمرد و عقیق جیسے نایاب پتھر سستے داموں صرف اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت سے بیچتا، کبھی سائیکلوں کا بیوپاری، کبھی بٹیر لڑاتا اور کبھی رمبی اور سوہا اٹھا کر موچی بن جاتا۔''(۸)

وسیم شاہد نے ڈھاڈر کی تہذیب میں بزرگوں کے کردار کو کافی جاندار دکھایا ہے۔ ایسے زندہ دل کردار جوانوں کے متعلق انہوں نے تخلیق نہیں کئے جس کی وجہ شاید ذریعہ معاش کی فکر ہے مگر بزرگ روزی اور معاش کی فکر سے آزاد رات کو دیر گئے تک خوش گپیوں میں مصروف رہتے ہیں اور صبح ہونے سے قبل اپنے گھروں کی طرف واپس آتے ہیں۔ یہ یہاں کی تہذیب کی خوش گوار راتوں کی علامت ہے کہ بزرگ احباب کا حلقہ بنا کر رات گئے تک ایک ساتھ رہتے ہیں اور تاش وغیرہ کھیل کر خوش و خرم رہتے ہیں۔

جو کھیل و موج مستی عموماً دیگر معاشروں میں نوجوانوں سے منسوب ہوتی ہے وہ ڈھاڈر کی تہذیب میں بزرگوں کا خاصا ہے جو اس معاشرے کے لوگوں کے آخر تک زندہ دل رہنے اور زندگی جینے کی علامت ہے۔ صرف مرد ہی نہیں بلکہ بزرگ عورتوں کو بھی اپنے مردوں پر رعب جما تا دکھانا وسیم شاہد کی طرف سے ناول میں زندہ دلی اور تہذیبی مضبوطی کی علامت ہے کہ بزرگ عمر گزرنے کے ساتھ اہمیت نہیں کھوتے۔ناول سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08
ماخذ تحقیقی مجلہ

> "صبح کی آذان سے پہلے یہ محفل ختم ہو جاتی سب لوگ اپنے اپنے گھروں کا راستہ لے لیتے تو دادا بھی گھر آ جاتے۔ دادی بہت شور مچاتی کہ یہ تاش کی بازی بند کرو دادا جان چھڑانے کو وعدہ کر لیتے مگر وہ وعدہ ہمارے جوانی تک تو وفا نہ ہوا۔ بجلی بہت کم آتی تھی تو مغرب کی نماز کے ساتھ ہی رات کا کھانا کھا لیا جاتا اور پھر لالٹین کی روشنی میں ہوم ورک شروع ہو جاتا۔"(۹)

ٹیلی ویژن کی ایجاد سے پہلے جس طرح تمام معاشروں میں خبروں کے بنیادی ذریعے کے لیے اخبار استعمال کیے جاتے تھے یا پھر ریڈیو کا استعمال کیا جاتا تھا، ڈھاڈر میں ریڈیو وہ واحد ذریعہ تھا جس کے ذریعے اس تہذیب کے لوگ خبروں اور باہر کی دنیا سے باخبر رہتے تھے لہٰذا ریڈیو کے اوقات مقرر ہونے کی وجہ سے جب ریڈیو پر خبر نامہ چلتا تھا تو سب کو خاموش رہنے کی ایک عادت سی پڑ گئی تھی۔ مردوں کے لیے خبریں چونکہ بہت دلچسپی رکھتی تھی اسی لیے وہ اس سے خصوصی طور پر وابستہ رہتے اور اس دوران تمام گھر میں خاموشی رہتی۔

ڈھاڈر کی تہذیب میں بھی ریڈیو میں دلچسپی اور اس کے خبر نامے کے دوران خاموشی کی اہمیت سے وسیم شاہد نے اس تہذیب کے لوگوں کی عالمی معاملات اور ملکی حالات سے واقفیت حاصل کرنے میں غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی ہے کیونکہ عین اسی دوران مارشل لاء کا نفاذ ہو چکا تھا اور وہ نفاذ جس طرح دیگر علاقوں کو بدل رہا تھا اسی طرح ڈھاڈر میں خوف کے بادل لا رہا تھا۔ ان حالات نے ریڈیو کی اہمیت اور اس کے خبر نامے سے اہلِ ڈھاڈر کی وابستگی اور بڑھادی۔ مرکزی کردار کے دادا کے ریڈیو سننے کے منظر نامے کو دیکھیے جو اس تہذیب میں خبروں میں دلچسپی کو بھی ظاہر کرتا ہے:

> "دادا صحن میں چارپائی ڈالے سینے پر ریڈیو رکھ کر خبریں سنتے۔ اس دوران گھر میں کرفیو نافذ رہتا ماں اور دادی بھی اشاروں میں باتیں کرتیں۔ کوئی بچہ شور مچاتا یا رونے لگتا تو اس کے ساتھ ساتھ گھر والوں کی بھی شامت آ جاتی۔ دادا قریب بیٹھے بچوں کو اپنے اعصا سے خود ہی ڈیل کر لیتے اسی لیے تمام بچے صحن میں جاتے ہوئے دادا کی لکڑی کے ڈائی میٹر سے دور رہتے۔"(۱۰)

وسیم شاہد ڈھاڈر کی تہذیب میں رچ بس جانے والی زبانوں کو بھی تہذیب کا حصہ دکھاتے ہیں۔ چونکہ ڈھاڈر میں کئی قومیں آباد ہو گئیں تھیں تو یہ علاقہ خاص بلوچی زبان کا حامل نہیں رہا تھا۔ یہاں تک کہ بلوچستان کی

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

سرحد پر واقع اس علاقے میں ہمیں سرائیکی اور بلوچی کا ملاپ بھی نظر آتا ہے۔ اس تہذیب میں سرائیکی لوگ بھی موجود ہیں اور بلوچی بھی جو ایک دوسرے سے میل جول رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی زبانیں سمجھ بھی لیتے ہیں۔

ڈھاڈر میں سرائیکی اور بلوچی زبان کی ملاپ کا اظہار ہمیں اس وقت بھی نظر آتا ہے جب مرکزی کردار کی ماں اس کے بیمار رہنے اور مسلسل ہسپتالوں کے چکر لگانے کے باوجود صحت یاب نہ ہونے پر ایک امام صاحب کے پاس لے جاتی ہیں۔ امام صاحب کو صرف سرائیکی آتی ہے مگر اس کے گھر والے بلوچی اور سرائیکی دونوں زبانوں کے ماہر ہو چکے ہوتے ہیں اور وہ عورت کی بلوچی گفتگو کو سرائیکی میں ترجمانی کر کے بتاتے ہیں مگر امام صاحب باہر بیٹھے لوگوں سے خود گفتگو کر رہے ہوتے ہیں جو اس بات کا اظہار ہے کہ وہاں کے عمومی مرد سرائیکی زبان سمجھ سکتے ہیں۔ واقعہ ملاحظہ کیجیے:

> ''امام صاحب فارغ ہو کر اندر تشریف لے آئے۔ ماں برقعے کا نقاب گرا کر ایک طرف بیٹھ گئی۔ امام صاحب کی بہو نے سارا قصہ سرائکی میں انہیں سنایا۔ انہوں نے میری آنکھوں کا معائنہ کیا کچھ ایات پڑھ کر میرے سینے اور ماتھے پر دم کیں، پھر اپنی کتاب سے کاغز لیا اور تعویز لکھنے لگے۔ بیٹا آپ کا صاحب زادہ ڈر گیا ہے۔ یہ تعویز میں دے رہا ہوں صبح شام جلا کر دھواں اس کے ماتھے پر دینا، انشاء اللہ آرام آجائے گا اور ہوا بھی ایسا ہی۔''(۱۱)

یہ واقعہ ڈھاڈری تہذیب میں موجود مذہبی عقیدت اور یقین کی سطح کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ ماں کو اس بات پر پختہ یقین تھا کہ جو صحت یابی ایک مدت سے ڈاکٹر نہیں دے سکے وہ امام صاحب ضرور دے سکتے ہیں۔ ساتھ ہی مصنف کا یہ اقرار کہ ایسا ہی ہوا جیسا امام صاحب نے کہا، اس تہذیب میں رچی عقیدت اور یقین کی سطح کو ظاہر کرتا ہے۔ اپنے بچپن کی لاعلاج بیماریوں اور اپنی صحت سے متعلق کئی علاج معالجوں کا تذکرہ کرتے ہوئے راوی جو معجزے بیان کرتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طبی سہولیات کے لحاظ سے پسماندہ اس علاقے کے لیے اساتذہ اور امام مسجد کی موجودگی خدا کی نعمت سے کم نہیں۔

اس ناول کے دوسرے حصے میں وسیم شاہد نے کوئٹہ کی تہذیب کو بھی کچھ حد تک ناول کا حصہ بنایا ہے جس میں وہ زیادہ تر دونوں جگہوں کی تہذیب کا تقابل کرتے نظر آتے ہیں۔ کوئٹہ کی تہذیب کو انہوں نے ڈھاڈر کی طرح وسعت سے ظاہر نہیں کیا کیونکہ ڈھاڈر ان کی جائے پیدائش اور بچپن کی یادگاروں کے علاوہ تاریخی اور تہذیبی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08
ماخذ تحقیقی مجلّہ

لحاظ سے ایسا خطہ بھی ہے جسے تاریخ نے فراموش کر دیا ہے مگر وسیم شاہد اس ناول میں اس کی تہذیبی و تاریخی اہمیت بہت وسعت سے اجاگر کرتے ہیں۔ بقول ناول نگار سید کاشف رضا:

> "ڈھاڈر اور کوئٹہ کی بو باس سے رچی، ان کی گرمیوں سردیوں میں پھلی پھولی یہ کہانی اپنے زمان و مکان میں مضبوطی سے جڑ پکڑتی ہے اور ان فکشن نگاروں کے اثرات سے محفوظ رہتی ہے جن کے کردار خلاؤں میں زندگی گزارتے ہیں۔ بلوچستان کی دھرتی سے ایسا میٹھا پھل ہی ملنے کی توقع تھی۔"[۱۲]

ناول میں بیان کی گئی کوئٹہ کی تہذیب سے شہری تہذیب جھلکتی ہے جس میں مرکزی کردار آوارہ گردی اور عاشق مزاجی کا شکار ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ ڈھاڈر میں مختلف قومیں آباد ہونے کی باوجود باہمی فسادات دیکھنے کو نہیں ملتے تھے جو کہ اس تہذیب میں رچی الفت کی فضا کی وجہ سے تھا مگر کوئٹہ میں بلوچ اور دیگر اقوام کی لڑائی وہاں کے رسوم و رواج کا حصہ بن چکی تھی، ناول میں مرکزی کردار جو وقت کوئٹہ میں گزارتا ہے اس میں اسے نسلی اور لسانی تعصب بھی وہاں کی معاشرت کا حصہ دکھائی دیتا ہے۔

وسیم شاہد نے اس ناول میں جس دور کے کوئٹہ کی عکاسی کی ہے اس میں کوئٹہ تعلیم اور ترقی کے مواقع کا واحد ذریعہ تھا اسی وجہ سے مختلف تہذیبوں اور قوموں کے لوگ وہاں نئے نئے آنے لگے تھے، اِس وجہ سے نسلی و قومی جھگڑے کوئٹہ میں ایسے معمول بننے لگے گویا اس تہذیب کا حصہ ہوں۔ دراصل کوئٹہ میں وسیم شاہد نے مختلف تہذیبوں کے یکجا ہونے کی مثال دکھائی ہے، اس وجہ سے فساد بھی معمول کا حصہ لگتے ہیں۔ اقتباس دیکھیے:

> "نگران نے ہم بلوچوں کا تمسخر اڑایا ہے. ہم رکشہ چلائیں یا لوکل بس. بڑی شلواریں پہنے یا پینٹس. اسے کیا تکلیف ہے اس نے نقل نکال لی ہے میں خاموش رہا مگر اسے کس نے یہ حق دیا ہے کہ یوں ہمارا مذاق بنائے؟"[۱۳]

وسیم شاہد نے کوئٹہ کی منظر نگاری سے ڈھاڈر کی تہذیب کے فرق کو واضح کیا ہے۔ جہاں مرکزی کردار ڈھاڈر میں قبائلی رسومات کی وجہ سے کسی لڑکی کی طرف دیکھ نہیں سکتے تھے وہیں کوئٹہ میں وہ کئی عشق لڑا رہا تھا۔ محلے میں لڑکیوں کا پیچھا کرنا اور ان کا گرویدہ بننا اس کا معمول بن چکا تھا۔ ڈھاڈر کی تہذیب کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ اساتذہ بازار میں گھومنے پر لڑکے کی باز پرس کرتے تھے جبکہ یہاں کالج سے فرصت ملتے ہی اسی کالج کے سامنے آوارہ گردی کی آزادی تھی۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08
ماخذ تحقیقی مجلّہ

کوئٹہ کی تہذیب میں رنگینی تھی، ہر قسمی لوگوں سے شہر بھرا ہوا تھا۔ یہ تہذیب ایک ڈھاڈر جیسے علاقے سے آئے ہوئے نوجوان کے لیے لطف اور آوارگی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ کوئٹہ بلوچستان کا دارالحکومت ہونے کی وجہ سے غیر ملکی خواتین اور ان کی رنگینیوں سے بھی بھرا ہوا تھا۔ وسیم شاہد اس سوانحی ناول میں کوئٹہ کی تہذیب کو ہی جوانی کے لطف کا ذریعہ دکھاتے ہیں وہ اس تہذیب کا زیادہ ذکر کئے بغیر مرکزی کردار کی ذات میں جو تبدیلیاں ظاہر کرتے ہیں وہ کوئٹہ وڈھاڈر کی تہذیب کا فرق ہی ہوتا ہے۔ جہاں ڈھاڈر میں باہر جا کر صرف دوستوں سے ملاقاتوں تک محدود ہونے کے سبب مرکزی کردار صرف شرارتیں ہی کر پاتا ہے وہی کوئٹہ کی جو تہذیب اسے میسر آتی ہے اس کی ایک جھلک ناول سے ملاحظہ کیجیے:

> ''یورپ ہوٹل جناح روڈ پر واقع تھا وہاں غریب یورپین سیاحوں کے جتھے ٹھہرے ہوتے۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں ایک کولڈ ڈرنک یا برگر کی آفر پر سارا دن آپ کے ساتھ گزارنے کو تیار ہو جاتے۔ وقت گزاری کو میں ہال میں موجود کسی بھی انگریز لڑکے یا لڑکی کے ساتھ بیٹھ جاتا وہ دس بارہ ملک گھوم کر پاکستان آئی ہوتی تو اس کے پاس دنیا جہان کی معلومات ہوتیں۔''(۱۴)

الغرض اس ناول میں وسیم شاہد نے ڈھاڈر کی تہذیبی اور تاریخی اہمیت واضح کی ہے اور ناول کے دوسرے حصے میں غیر محسوس انداز میں اس تہذیب کا کوئٹہ کے رسوم ورواج سے تقابل بھی کیا ہے۔ ناول نگار ڈھاڈر کی تہذیب اور اس کی تاریخی اہمیت کے مبلغ محسوس ہوتے ہیں جنہوں نے اس خطے کی اہمیت تاریخ و تہذیب کے واقعات و مثالوں کے اس طرح واضح کی ہے کہ ڈھاڈری ناول کے قارئین اس خطے کی اہمیت کو پاکستان کے کسی خطے کے مقابلے میں کم نہیں سمجھ سکتے۔

وسیم شاہد اس تہذیبی عکاسی میں بہت حد تک کامیاب ہوئے ہیں اور اس خطے کی تاریخی اہمیت نے انہیں حیرت انگیز انکشافات کرنے میں بہت مدد کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خطہ جس اہمیت کا حامل ہے اسے وہ اہمیت کبھی عطا نہیں کی گئی جس کے بسنے والے کئی پسماندگیوں سے لڑتے ہوئے آگے بڑھے ہیں۔ جیسا کہ وسیم شاہد ناول میں تحریر کرتے ہیں:

> ''ہم غربت، تنگ دستی، بیماریوں اور پریشانیوں سے لڑتے یوں آگے بڑھتے رہے جیسے کسی ندی میں بہتے بے بس اور مجبور خس و خاشاک ہوں۔ جن کی اپنی کوئی مرضی کوئی منشا نہیں

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08

ہوتی پانی ان کا رخ جس طرف چاہے موڑ دے ہم بھی یوں ہی گرتے پڑتے مڑتے مڑاتے زندگی کے دن گزارتے رہے۔"(۱۵)

وسیم شاہد کے ناول میں ڈھاڈر کی تہذیب و تاریخ محض ماضی کی داستان نہیں بلکہ ایک زندہ روایت کی صورت میں ابھرتی ہے جو وقت کی گرد میں چھپے ایک خطے کی روح کو آشکار کرتی ہے۔ انہوں نے اس مٹی کی خوشبو، اس کے لوگوں کے دکھ سکھ، ان کی زبان، عقائد، رسومات، اور روزمرہ کی سادہ مگر معنویت سے بھرپور زندگی کو اس خوبصورتی سے قلم بند کیا ہے کہ ڈھاڈر قاری کے ذہن میں ایک مکمل تہذیبی منظر نامہ بن کر ابھرتا ہے۔ وسیم شاہد کا فن اس بات کا گواہ ہے کہ ایک ادیب اپنی سرزمین کی تاریخی و تہذیبی گہرائیوں میں اتر کر ہی سچائی اور انسانیت کے قریب پہنچتا ہے۔ ان کا یہ ناول نہ صرف ڈھاڈر کی گمشدہ شناخت کو بازیافت کرتا ہے بلکہ یہ احساس بھی دلاتا ہے کہ تہذیبیں صرف عمارتوں سے نہیں بلکہ انسانوں کی یادوں، عقیدوں اور جد وجہد سے زندہ رہتی ہیں۔ یوں یہ ناول وسیم شاہد کی تخلیقی بصیرت، تہذیبی شعور، اور اپنے مٹی سے غیر متزلزل محبت کا دلکش استعارہ بن جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد وسیم شاہد، ڈھاڈری (کوئٹہ: مہر در ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، ۲۰۲۳ء)، ۱۸۔

۲۔ ایضاً، 19۔

۳۔ طاہرہ اقبال، "زمین سے جڑا ایک تہذیبی ناول"، مشمولہ، ڈھاڈری، ۲۱۳۔

۴۔ محمد وسیم شاہد، ڈھاڈری، ۲۱۔

۵۔ ایضاً، ۲۶۔

۶۔ ایضاً، ۲۷۔

۷۔ ایضاً، ۲۹۔

۸۔ ایضاً، ۳۶۔

۹۔ ایضاً، ۳۹۔

۱۰۔ ایضاً، ۴۰۔

۱۱۔ ایضاً، ۵۶۔

۱۲۔ کاشف رضا، "ڈھاڈری سے ملیے"، مشمولہ، ڈھاڈری، 4۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

۱۳۔ محمد وسیم شاہد، ڈھاڈری، 65۔

۱۴۔ ایضاً، ۱۱۲۔

۱۵۔ ایضاً، ۶۸۔